تحریر:۔ رفیق احمد بالاکوٹی بنوری ٹاؤن کراچی

بگیر راہِ حسین احمد!

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بروز جمعرات بمطابق ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء کو روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحے پر ''قلم وکمان'' کے حامل، مختلف حوالوں سے معروف کالم نگار، جناب حامد میر صاحب کا کالم ''بلاول کا خیال کیجئے'' پڑھا موصوف نے بلاول کے باپ سے زیادہ بلاول کا خیر خواہ بنتے ہوئے مختلف مشوروں سے نوازا، ہر آنے والے کو مشورے وتجاویز دینا موصوف کا کام ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے، موصوف کے مذکورہ کالم میں مختلف باتوں کے درمیان کوئی ربط ڈھونڈنا بھی ضروری نہیں، کیونکہ وہ مقام صحافت کی اس سیڑھی پر پاؤں جما چکے ہیں، جہاں اس قسم کے ربط نہیں دیکھے جاتے، لیکن مجھے اور مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک بات، حد درجہ بے ربط اور بے جوڑ معلوم ہوئی، وہ یہ کہ ''بلاول'' کا خیال کرنے کے لئے آزادئ ہند کے عظیم رہنما شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور مفتی اعظم ہند، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہما اللہ پر کیچڑ اچھالنے کی ضرورت انہیں کیوں محسوس ہوئی، اور وہ بھی ایک ایسے جھوٹے قصہ کی بنیاد پر جسے اپنے دور کے بہترین وماہر ترین مخترع، مفتری، اور وضّاع نے اپنے مخصوص افکار اور خبثِ باطن کے اس سلسلہ وار زاویئے سے گھڑا تھا، جس کی کڑیاں صدر اول کے ابن سباء سے ملتی ہیں، اس قصے کا اصل موجد مشہور افتراء باز، پائے کا دروغ ساز ابوالحسن اصفہانی ہے اگر ''میر وقت'' جہانگیر تمیمی کی بجائے براہ راست ''اصفہانی'' سے جھوٹی روایت نقل کرتے تو ان کی سند عالی ہوجاتی، کیونکہ تمیمی یا بٹالوی تو اس قصۂ کاذبہ کے محض ناقل ہیں، اصل سرچشمہ اصفہانی صاحب ہیں۔ اگر ''میر وقت'' بلاول اور زرداری کی خیر خواہی وخوشامد سے کچھ وقت بچا کر تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھ لیتے جو اس جھوٹے قصے کے حوالے سے تاریخ کا حصہ بن چکا ہے تو امید ہے کہ میر صاحب انسانی حیاء کے مارے یہ جھوٹ نقل فرمانے کی جسارت نہ فرماتے، کیونکہ اس جھوٹ کے جراثیم اس دور کے ''میروں'' کے علاوہ شاید کہیں بھی قرار پذیر نہ ہوں، اس لئے کہ اس موضوع پر اس قدر وضاحتیں ہوچکی ہیں کہ حقیقت کو چھپانے والے سارے پردے تار تار ہوچکے ہیں، بہر حال ہمارے میر صاحب ''بلاول'' کی خاطر جو بے ربط ارشاد فرما چکے ہیں ہم اسے بعینہٖ نقل کرنے کے بعد موصوف کے سامنے علامہ اقبال کا تیار کردہ ''آئینہ بولہبی'' پیش کریں گے۔ وہ خود ہی اپنا چہرہ اس میں دیکھ لیں۔ چنانچہ میر صاحب مولانا فضل الرحمٰن پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> تحریک پاکستان میں بھی کچھ مولانا صاحبان نے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظم کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کئے، نوبت یہاں تک آئی کہ علامہ اقبالؒ کو جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف اشعار کہنا پڑ گئے، تحریک پاکستان کے ایک نامور مورخ ڈاکٹر محمد

جہانگیر تمیمی نے اپنی کتاب ''زوال سے اقبال تک'' میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔فرماتے ہیں کہ 1937ء کے انتخابات میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی مسلم لیگ کی حمایت کے لئے راضی تھے،لیکن انہوں نے اس حمایت کے اخراجات کے لئے پچاس ہزار روپے طلب کئے یہ قم اس زمانے میں بہت زیادہ تھی،قائداعظم یہ مطالبہ پورا نہ کرسکے اور مولانا صاحبان کانگریس کی طرف چلے گئے کیونکہ وہاں سے ان کے مالی تقاضے پورے ہوگئے تھے۔شکر ہے کہ اس دور میں مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع جیسے علمائے حق نے دارالعلوم دیوبند کی عزت رکھ لی اور بے لوث انداز میں تحریک پاکستان کی حمایت کی،مولانا فضل الرحمن سے التجا ہے کہ آج مولانا حسین احمد مدنی کی بجائے علامہ شبیر احمد عثمانی کے نقش قدم پر چلیں''۔

''میر صاحب'' کے ان ارشادات کے تناظر میں سردست مختصراً تین باتوں کی وضاحت کرتے ہیں،ا:۔قائد اور علامہ کے خلاف فتویٰ۔۲:۔علامہ کے اشعار۔۳:۔پچاس ہزاری قصہ کی حقیقت۔

قیام پاکستان اور علماء کا اختلافی نقطۂ نظر

قیام پاکستان کے حوالے سے حضرت مدنی اور مفتی کفایت اللہ صاحب اور دوسرے کئی حضرات کو تحفظات تھے، انہیں اختلاف تھا یہ ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس حقیقت کا دوسرا اور اصلی رخ اس سے زیادہ اہم ہے مگر اسے بیان نہیں کیا جاتا وہ یہ کہ آخر یہ حضرات کیوں مخالف تھے؟ اس مخالفت کے اسباب کیا تھے؟ قیام پاکستان کے بعد ان بزرگوں کی رائے کیا تھی۔ان پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اختلاف اختلاف کا واویلا کرنا اور اسے فتویٰ بازی کہنا تاریخ کی بدترین خیانت کہلانے کی حقدار ہے،آیئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی زبانی سنیے کہ ہمارے یہ بزرگ قیام پاکستان کے مخالف کیوں تھے،مخالفت کے اسباب پر غور فرمایئے اور ساتھ ساتھ پاکستان کی حالیہ تصویر پر غور فرماتے جایئے،۲۶اپریل 1946ء کو دہلی کے اردو پارک میں پانچ لاکھ کے مجمع کے سامنے حضرت شاہ جی نے جو تاریخی خطاب فرمایا تھا اس کے صرف دو اقتباس (جو مخالفین کے موقف کا خلاصہ ہیں) ملاحظہ ہوں:

''اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کرکے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے؟ قطع نظر اس سے کہ اس کا انجام کیا ہوگا،مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے،جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا،لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں،ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے،بات جھگڑے کی نہیں،سمجھنے اور سمجھانے کی ہے،لیکن تحریک کی قیادت کرنے

والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے، اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے، تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کرسکتے، جن کا اُٹھنا بیٹھنا جن کا سونا، جن کا جاگنا، جن کی وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان وتہذیب، کھانا پینا، لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو، وہ دس کروڑ انسانی آبادی کے ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کرسکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں۔

ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا۔ اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوگا، اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے، امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر۔“

روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء بحوالہ کردار قائد اعظم ص: ۱۵۶، ۱۵۷، بینات رجب ۱۴۰۷ھ

”تم الگ الگ رہ کر بھی باہم شیر وشکر رہ سکتے تھے، مگر تم نے اپنے تنازعہ کا انصاف فرنگی سے مانگا ہے وہ تم دونوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا فساد ضرور پیدا کر کے جائے گا، جس سے تم دونوں قیامت تک چین سے نہ بیٹھ سکو گے اور آئندہ بھی تمہارا آپس کا کوئی تنازعہ باہمی بات چیت سے کبھی طے نہ ہوسکے گا۔ آج انگریز کے فیصلہ سے تم تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑو گے تو آنے والے کل کو توپ اور بندوق سے لڑو گے، تمہاری اس نادانی اور من مانی سے اس برصغیر میں انسانیت کی جو تباہی ہوگی، عورت کی جو بے حرمتی ہوگی، اخلاق وشرافت کی تمام قدریں جس طرح پامال ہوں گی، تم اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہاں (موجودہ پاکستان میں) وحشت ودرندگی کا دورہ دورہ ہوگا، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو جائے گا، انسانیت اور شرافت کا گلا گھونٹ دیا جائے گا نہ کسی کی عزت کی حفاظت ہوگی نہ مال، نہ جان نہ ایمان اور اس سب کا ذمہ دار کون ہوگا؟ تم دونو!

روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء (کردار قائد اعظم ص: ۳۸۸، بینات رجب، ۱۴۰۷ھ)

یہ علماء ہند کا وہ اختلاف اور اس کی بنیاد جس کو میر صاحب ''فتویٰ بازی'' کہہ رہے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ شاہ جی کے مذکورہ اقتباسوں پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

افسوس ہے کہ لیگ کے جذباتی کارکنوں نے ان بزرگوں پر پاکستان کے مخالف'' کانگریس کے ہمنوا ہندوؤں کے ایجنٹ اور نہ جانے کیا کیا بھبتیاں اڑائیں ،لیکن یہ حضرات جو درد و کرب ملت اسلامیہ کے لئے سینہ میں رکھتے تھے اور مستقبل کے ہولناک اور قیامت خیز منظر سے ان کے دل پر جو قیامت سے پہلے قیامت گزر رہی تھی اس کی طرف کسی دانشمند کو التفات نہ ہوا، اور لیگ کے ان بدنام کنندگان میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو ان بدنام کنندگان سے یہ کہہ سکتا۔ الیس منکم رجل رشید.

یہ حضرات پاکستان کے مخالف تھے؟ بلا شبہ مخالف تھے لیکن کیوں مخالف تھے؟ اس لئے کہ پاکستان کے جلو میں ہندوستان کی امت اسلامیہ پر جو تباہی و بربادی نازل ہونے والی تھی اس کی وجہ سے مخالف تھے، لیکن جب پاکستان بن گیا تو ان سے بڑھ کر پاکستان کا کوئی وفادار نہیں تھا۔......

(بینات رجب ۱۴۰۷ھ)

اگر میر صاحب یا ان جیسے دیگر حضرات بنظر انصاف دیکھیں تو علماءِ ہند کی رائے کو قیام پاکستان سے پہلے نہ یہ صرف کہ اختلاف رائے قرار دے کر اختلاف کی مکمل گنجائش تھی جیسے حضرت تھانوی حضرت عثمانی اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہم اللہ نے اختلاف فرمایا تھا۔

لیکن اگر پاکستان کی موجودہ صورت حال کو ان مخالفین کے مؤقف کے آئینہ میں دیکھا جائے تو ان کے موقف کی تصدیق ہوتی ہے اور اگر ہمارا نفس نہ مان سکے تو فطری حیا کے تحت کچھ دیر کے لیے ہمیں ''شرم'' ضرور آنی چاہیئے۔

الغرض قیام پاکستان سے قبل ان بزرگوں کے اختلاف رائے میں یہ بھیانک صورت حال مضمر تھی جسے ان صاحب کشف بزرگوں کی چشم بصیرت مشاہدہ کر رہی تھی جہاں تک قیام پاکستان کے بعد ان بزرگوں کا مؤقف ہے وہ بھی دنیا جانتی ہے اگر ارباب لیگ کے دامن ظرف میں جگہ ہوتی تو پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جملہ بھی لکھا کرتے جو پاکستان کا ''خیال'' رکھنے کے لئے انہوں نے معمول کی دیانت، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا کہ:

''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی ہے تو مسجد ہے''

روزنامہ الجمعیۃ دہلی، شیخ الاسلام نمبر۔ ص:۱۷

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے جہاں قیام پاکستان کے بعد ان کا نقطہ نظر واضح ہو رہا ہے وہاں دیانت ،صداقت، شرافت اور اخلاقی اقدار پر مبنی اختلاف کا طریقہ کار بھی نمایاں ہو رہا ہے اگر ہمارے ''میروں'' کو ''بلاولوں'' کی خوشامد سے فرصت ملے تو حضرت مدنی کی سیرت کا غیر جانبدارانہ مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے تاکہ کم از کم اتنا تو معلوم ہو سکے

کہ حضرت مدنی نے میرے اور، ''میر'' کے ''ویروں'' کے موجودہ پاکستان کے وجود سے اختلاف کیا تھا، حضرت تھانوی اور حضرت عثمانی کے تصوراتی پاکستان سے ہرگز اختلاف نہیں کیا تھا، ''میر بادشاہ'' کی مرضی ہے حضرت مدنی کے اس اختلاف کو قیام پاکستان کے خلاف فتویٰ سے تعبیر کریں یا حوصلہ کر کے ''کشف'' مان لیں ورنہ موجودہ پاکستان کے اچھے بُرے صحیح غلط کا معیار قائم کرنے کے لئے ''میر'' صاحب جیسے دانشوروں کی موجودگی بھی حضرت مدنی کی کرامتوں کا مظہر ہے، میں پاکستان اور میر صاحب دونوں کے وجود کو ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت مدنی اور علامہ اقبال کے اشعار

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے جن اشعار کی طرف ''میر وقت'' نے اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہیں:

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ — زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود، برسر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ان اشعار کا مختصر شان ورود یہ ہے کہ ۸ جنوری ۱۹۳۸ کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے پل بنگش صدر بازار دلی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران بطور حکایت یہ فرمایا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتی۔ حضرت کی اس تقریر کا پورا مطلب ومتن دلی کے دو ممتاز اخبارات ''تیج'' اور ''انصاری'' میں چھپا۔ بات پوری تھی کوئی اشکال کی بات نہیں تھی، چند روز بعد حضرت کی اسی تقریر کو لاہور سے نکلنے والے دو روزناموں ''زمیندار اور'' انقلاب'' جو آپ کے زبردست سیاسی حریفوں کے ایسے نمائندہ تھے جو اپنوں کی حمایت اور حریفوں کی مخالفت میں سب کچھ کہنا جائز سمجھتے تھے بلکہ ان کو فرض منصبی تھا، ان دو اخباروں نے حضرت مدنی کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو اسلامی ملت کی بجائے وطنی قومیت اپنانے کا مشورہ دیا ہے، حالانکہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت وطن (مدنی ریاست کی حفاظت) کے لئے مدینہ کے رہنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کو معاہدہ کے تحت متحد کیا تھا اسی طرح آزادی ہند کے لئے بھی اس قسم کا متحدہ محاذ بن سکتا ہے۔

اس تقریر کے مندرجات حضرت مدنی کے معاندین کی تراش وخراش کے بعد جب علامہ اقبال مرحوم تک پہنچے تو انہوں نے قومیت وملت کا لغوی واصطلاحی امتیاز اور اخبار وانشاء کا فرق ملحوظ رکھے بغیر بلا تحقیق وتصدیق جذباتی انداز میں مذکورہ تین اشعار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہہ ڈالے۔

اگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے ''اسلامیت'' ترک کر کے ''وطنی قومیت'' کا مشورہ دیا ہوتا تو علامہ کے لئے اس طرح

کے اشعار کہنا نہ صرف یہ کہ جائز تھا، بلکہ ضروری اور حمیت دینی کا تقاضا بھی تھا، لیکن حقیقت اس کے خلاف تھی اس لئے علامہ کا یہ فتویٰ ''گر بہ او نہ رسیدی ہمہ ابولہبی است'' حضرت مدنی پر کسی طور پر چسپاں نہ ہوسکا، البتہ ''ملت از وطن'' کا نظریہ، شعوری وغیر شعوری طور پر اپنانے کی وجہ سے دیگر کئی چھوٹے بڑے حضرات اس قابل مذمت ''بولہبی'' کا شکار ہو گئے تھے۔

حضرت قائداعظم مرحوم نے قیام پاکستان سے تین روز قبل اپنے خطاب میں دینی شناختوں کی بجائے ''وطنی شناخت'' کو مقدم رکھنے کی وصیت فرمائی تھی (شاہراہ پاکستان ص:۹۴۲، بحوالہ بینات) اور خود علامہ بھی اپنے کلام میں ''وطنی قومیت'' کا خوب پرچار فرما چکے ہیں، مثلاً ترانہ، ہند، کا یہ شعر تو بہت ہی مشہور ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا   ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا۔

اسی نظریہ کا تسلسل ہے کہ پاکستان کے پہلے انتظامی ڈھانچے میں عیسائی، ہندو، قادیانی شامل تھے، فوج کا سربراہ انگریز تھا، عدلیہ کا سربراہ کارنیلس عیسائی تھا، پہلا وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی تھا، کیا یہ اشخاص اسلامی قومیت کی بناء پر ان کلیدی عہدوں پر براجمان ہوئے تھے، یا وطنی قومیت کی بناء پر؟

اگر ''وطنی قومیت'' واقعۃً ''لا الہ الا اللہ'' کی نفی ہے تو پھر ''سب سے پہلے'' پاکستان کا نعرہ لگانے والے، میر صاحب کی عدالت میں موجود ہیں، ان پر دفعۂ ارتداد لاگو کرتے ہوئے سزائے موت ہونی چاہئے۔ اسی طرح پاسپورٹ اور قومی شناختی کارڈ میں ''قومیت'' کے خانے میں ''پاکستانی'' لکھنے اور ''پنجابی، سندھی، بلوچی اور سرحدی کی شناختی تفریق کو نظریہ پاکستان کی رو سے قانونی جرم قرار دینا چاہیئے۔

حیرت کا مقام ہے کہ مصور پاکستان حضرت اقبال ''وطنی قومیت'' کے جس نظریہ پر ''بولہبی'' کا فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ حضرت قائداعظم اور حضرت علامہ سے لیکر مجھ تک اور میر صاحب تک سب اس فتویٰ کی ''زد'' میں کیوں نظر آرہے ہیں؟ جو بھی اس آئینہ میں منہ دیکھے اس کی ''جبین پاک پر'' بولہبی'' لکھا ہوا کیوں آرہا ہے ہر پاکستانی کو اس پر سوچنا چاہیئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہیئے میں سوچ و بچار کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی تک پہنچا ہوں جس میں ارشاد ہے کہ جو مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی طرف کلمۂ کفر کی نسبت کرے اگر منسوب الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی ہو) وہ اس کا مصداق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کلمہ خود کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث کا مفہوم بھی بتاتا ہے کہ:

تم اپنے بھائی کی مصیبت اور ابتلاء میں طعنہ زن مت بنو ورنہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے بھائی کو برأت و عافیت دیدے اور تو خود اس مصیبت وابتلاء میں پھنس جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مدنیؒ پر دینی شناخت کی بجائے ''وطنی قومیت'' کا مشورہ دینے کا الزام، خدا اور خلق خدا کے ہاں محض جھوٹ بہتان اور بے بنیاد الزام تھا، اس لئے وہ تو علامہ کے شعر کا مصداق نہیں بن سکے، البتہ ہم خود ہی ''وطنی قومیت'' کا بلکہ صوبائی اور لسانی قومیتوں کا شکار ہو کر علامہ کے اشعار کا مصداق بنتے جارہے

www.banuri.edu.pk

ہیں حتیٰ کہ اس میں اول تا ہنوز کسی کا استثناء کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے، البتہ حضرت جناح اور حضرت علامہ کے بارے میں اتنا کہنا ضروری ہے کہ ان کو ایک تو اس لئے موضوع بحث نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دنیا سے پردہ فرما کر اپنے خالق کے ہاں جا چکے ہیں یہی نبوی تعلیم بھی ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۱۸۶) اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ بھی ہے۔ ہمارے میر صاحب کے معتوب اور کروڑوں فرزندان توحید کے محبوب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے حضرت قائداعظم کے بارے میں بطور خاص اپنے معتقدین کو یہی تاکید فرمائی تھی۔ قصہ یوں نقل کیا جاتا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بمبئی کا تمام جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا جلسہ کے مقررین میں جو بھی اٹھتا وہ قائداعظم کے بارے میں ناشائستہ اظہار خیال کرتا، حضرت مدنی بھی شریک جلسہ تھے جب آپ کو دعوت خطاب دی گئی تو آپ نے فرمایا:

> ”یہاں تمام مقررین نے روز تقریر جناح صاحب کی مذمت پر صرف کیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ہم سے جدا ہو چکا ہے اور اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، اس کی برائی سے کیا مقصد ہے؟ اور اس کا کیا نفع ہوگا؟

(بینات رجب ۱۴۰۷ھ)

رہے حضرت اقبال رحمہ اللہ تو وہ بھی ہم سے جدا ہو چکے ہیں اور اپنے مذکورہ اشعار اور اس کے اثرات پر بھی ملامت یا بحث سے بالاتر ہیں کیونکہ اس مباحثہ کے شروع ہونے کے بعد تین ماہ کے اندر اندر علامہ نے اپنی وفات سے تین ہفتہ قبل یعنی ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء روزنامہ احسان لاہور میں مندرجہ ذیل بیان جاری فرمادیا تھا:

> ”مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریۂ قومیت کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق، ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں، میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں“۔

حضرت علامہ کے ان اشعار سے رجوع کے بعد ان کی اشاعت اور حوالے کی قطعاً گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی تکوینی وجہ وہی ہو سکتی ہے جس کا بیان اوپر گزرا، دوسری ظاہری وجہ یہی ہے کہ انگریز کے بوٹ پالش کرنے والوں کی ذریت اپنی روحانی تسکین کے لئے انگریز دشمن علماء دین کے خلاف بدگوئی، ہذیان اور دشنام طرازی کا پدری ورثہ آگے منتقل کرنے کی خواہاں ہے، جس کی حیثیت ”غوغائے سگاں“ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، اگر ہمارے معاصر ”میروں“ اور ان کے پیش روں کے نزدیک گڑھے مردے اکھیڑنا جائز ہے یا وہ اس قسم کے متنازع بلکہ مرجوع اشعار کو صرف تاریخی و ادبی ہونے کی بنیاد پر آگے منتقل کر رہے ہوں تو ان کی دیانت سے استدعا ہے کہ حضرت علامہ کی وہ مسدس بھی عام کریں، جو انہوں نے گاندھی جی کی منقبت میں ارشاد فرمائی تھی اور اس نظم کو بھی بعینہ نقل

فرمادیں جوانہوں نے حضرت قائداعظم کے بارے میں ارشادفرمائی تھی۔

''وقتِ میر'' کے پدری ورثہ میں اگر ۹ نومبر ۱۹۲۱ء کا روزنامہ زمیندار لاہور کی کاپی اور عبدالمجید سالک کی ''ذکر اقبال'' محفوظ نہ ہوتو ہمارا تعاون قبول فرمایئے۔ حضرت قائداعظم کے بارے میں فرماتے ہیں:

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر — اُترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں — اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیال دشت و بیاباں نکال دے — مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب — اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظرِ ما رسیدہ ہست — یعنی حجاب غیبتِ کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار، مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۲۱ء)

گاندھی سے اک روز یہ کہتے تھے مالوی — کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا
نازک یہ سلطنت صفت برگ گل نہیں — لے جائے گلستان سے اُڑا کر جسے صبا
گاڑھا ادھر ہے زیب بدن اور ادھر زرہ — صرصر کی رہ گزار میں کیا عرض تو تیا
پس کر ملے گا گرد رہ روزگار میں — دانہ جو آسیا سے ہوا قوت آزما
بولا بات سن کے کمال وقار سے — وہ مرد پختہ کار وحق اندیش و باصفا
خارا حریف سعی ضعیفاں نمی شود — صد کوچہ ایست در بن دنداں خلال را

(ذکر اقبال،ص:۱۱۲)

اگر میر صاحب کے بقول محترم چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری صاحب کے بحال ہونے سے ''مادر وطن'' میں عدل وانصاف بحال ہو چکا ہے یا انصاف کی فضاء بن چکی ہے تو پھر حضرت علامہ کے مذکورہ تین اشعار کے جواب میں حضرت مدنی کے ایک متوسل سید عزیز احمد قاسمی کی نظم بھی شائع کردیں یا صرف یہ شعر نقل کردیں:

خموش شاعر گستاخ قدر خویش بشناس — زحد خویش گزشتن کمال بے ادبی است۔

یا اقبال سہیل مرحوم کی طویل جوابی نظم کے صرف مندرجہ ذیل اشعار ہی نقل فرمادیں، کیونکہ قانون عدل بحال ہو جانے کے بعد ایک فریق کی بات سن کر دوسرے فریق کے جواب دعویٰ کے بغیر عادلانہ فیصلہ ناممکن ہے، اقبال سہیل کے اشعار یہ ہیں:

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است — کہ مستفاد از فرمودۂ خدا و نبی است
زبان طعن کشودی مگر نہ دانستی — کہ فرق ملت وقوم از لطائف ادبی است
تفاوتے است فراواں میان ملت وقوم — یکے از کیش دیگر کشوریست یا نسبی است

بگیر براہ حسین احمد را اگر خدا خواہی   کہ نائب است نبی را وہم از آل نبی است

مگر میرا خیال ونظریہ یہ ہے کہ حضرت مدنی، حضرت قائداعظم، حضرت اقبال اوراس وقت کے دوطرفہ رائے کے تمام حاملین اس دنیا سے جاچکے ہیں، ان کے بارے میں ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدموا ...... یعنی تم رفتگان کو برا بھلا مت کہو ان پر سب وشتم مت کرو اس لئے وہ آگے پہنچ کر اپنا بھیجا ہوا پاچکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت علامہ کے مذکورہ اشعار اسی طرحِ کالعدم اور نا قابل استدلال ہیں جس طرح حضرت قائد اعظم اور گاندھی جی کے بارے میں کہے گئے اشعار کالعدم اور نا قابل استدلال ہیں، اسی طرح علامہ کے اشعار کی جوابی نظم بھی اپنا موقع ومحل اور باعث کھوچکی ہیں، اس لئے ان کی بھی قطعاً ضرورت نہیں ہے، تا کہ وحدت اسلامی اور وحدت وطنی میں کسی قسم کا انتشار وخلفشار پیدا نہ ہو، اور اپنی نفسانیت کی تسکین اور شیطانیت کی ترویج کے لئے اپنی کفن پوش مقدس ہستیوں کی لاشیں نوچنے کی نوبت نہ آئے، بالخصوص علماء کے گوشت کے بارے میں تو مشہور ہے" **لحوم العلماء مسمومة** " (علماء کا گوشت زہر آلود ہوتے ہیں) پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جس جس نے علماء بالخصوص شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کے گوشت کو حلال سمجھا آخروی مؤخذہ سے قبل دنیا میں بھی اس نے اس زہر کا اثر ضرور محسوس کیا ہے، اہل کشف اولیاء اللہ کا کہنا ہے کہ پاکستان کی موجود ابتری حضرت مدنی کی اسی گستاخی کا نتیجہ ہے جسے آپ نے مخالفین نے شروع تا حال، حلال سمجھ رکھا ہے۔

پچاس ہزاری قصہ کی حقیقت

ذکر کردہ اس قصہ کی حقیقت دیکھئے جس نے میر صاحب کو تعجب میں مبتلا کیا:

ا۔ مسلم لیگ کی حمایت کے لئے رقم کا مطالبہ، اصفہانی، بٹالوی اور تمیمی جیسے واسطوں کے علاوہ کسی متداول ،معتبر روئیداد میں مذکور نہیں ہے، بلکہ اصفہانی صاحب نے اپنی فنی مہارت سے رقم کے مطالبہ کی نامناسب تعبیر کر کے تشہیر شروع کردی ہے، اگر بالفرض مطالبہ کیا بھی ہو تو غور کا مقام ہے کہ وہ کس مقصد کے لئے تھا؟ اگر یہ کہا جائے کہ ذاتی مفادات کے لئے تھا جیسا کہ معاندین نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے تو تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ جس انسان نے ہندوستان کے سب سے بڑے اعزاز کو جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا ہو اور برسہا برس گنبد خضراء میں درس حدیث دے کر شیخ العرب والعجم کہلایا ہو اور ساری زندگی سامراج سے پنجہ آزمائی میں گزاری ہو اس کے بارے میں انگریز پرستوں کی گواہی ماننا اور اس کی بنیاد پر حضرت کو متہم کرنا تاریخ کا سب سے بڑا بہتان ہے البتہ فرض کے درجے میں یہ کہنا جو خود اس عبارت میں بھی موجود ہے کہ انتخابی مہم کے اخراجات کے لئے مطالبہ تھا، تو اس میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ انتخاب کون لڑ رہا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس میں جمعیت علماء ہند کا کوئی رکن بھی حصہ نہیں لے رہا تھا، سب کے سب مسلم لیگ کے نامزد

کردہ امیدوار تھے،انصاف کی بات یہ ہے کہ جولوگ دار العلوم دیو بند سے بوضع مشاہرہ رخصت پر ہوں اور ذاتی کوئی ذریعہ آمدن بھی نہ اوران کا کوئی امیدوار بھی میدان انتخاب میں نہ ہو،آپ ان کو مفت میں اپنی حمایت کے لئے مجبور کرنا کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟

اگران بزرگوں نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے لئے رقم کا مطالبہ کیا بھی ہوتو وہ ''میر صاحب'' کے مختانہ کی طرح ہرگز نہیں تھا؟ بے حساب آکر ہضم نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کی حقیقت مسلم لیگ کے مالیاتی منتظم چوہدری خلیق الزمان خود بیان فرماتے ہیں کہ:

> ''میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کبھی میں نے ان کو (مولانا حسین احمد مدنی کو) انتخابات کے دورے وغیرہ کے مصارف کے متعلق روپیہ دیا تو اس کے ایک ایک پیسے کا انہوں نے مجھے حساب دیا اور بقیہ رقم مجھے واپس کردی۔''

شاہراہ پاکستان،ص:۶۳۴

دوسری طرف مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب کے زہد وقناعت کا عالم یہ تھا کہ فقر وفاقہ کے باجود نہرو کی طرف سے مالی پیش کش کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا تھا یہ پیش کش پچاس ہزار نہیں بلکہ لاکھوں میں تھی یہ وہ زمانے ہے جب ان اساطین علم کی تنخواہیں دسیوں بیسوں میں ہوا کرتی تھی، کیا ''میر صاحب'' اس قسم کی آزمائش میں ایسے استغناء کی مثال لیگی تاریخ میں پیش کرسکتے ہیں؟

۲:۔ یہ کہنا کہ اس وقت مسلم لیگ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا یہ بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ مسٹر جناح اوران کے منہ بولے بھتیجے راجہ محمود آباد ذاتی طور پر اتنے متمول تھے کہ وہ مسلم لیگ کی خاطر جانی قربانی کے ساتھ ساتھ اپنی جیب سے بھی مطلوبہ رقم دے سکتے تھے،اور قائداعظم کی ایک آواز پر محمود آباد کے خزانے کے منہ کھل گئے تھے صرف اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے ایک جلسے کے انعقاد پر راجہ صاحب محمود آباد نے تیس لاکھ روپے خرچ کیے تھے،اس کے بعد ۴۷ء تک جو خرچ ہوتا رہا وہ الگ ہے چنانچہ ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی کی زبانی سنیئے

> مسلم لیگ کے لئے قائداعظم کی آواز پر محمود آباد کے خزانے کے دروازے کھل گئے تھے میں یہ بات انتہائی ذمہ داری کے ساتھ عرض کررہا ہوں کہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے ایک جلسہ کے انعقاد پر راجہ صاحب محمود آباد کے تیس لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے اور اس کے بعد ۴۷ء تک جو کچھ خرچ ہوتا رہا وہ الگ ہے۔

مجلّہ علم وآگاہی قائداعظم نمبر گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی،ص:۳۳۰،۳۰۱

اسی طرح پروفیسر اظہر الحق حقی تحریر کرتے ہیں:

> راجا صاحب نے اجلاس لکھنو کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لئے جب سیاست میں حصہ

لینا شروع کیا تو یہ طے کرایا تھا کہ جو کچھ بھی پاس ہے وہ قوم کا ہوگا،

ایضاص: ۳۶۰،۳۵۹۔

۱۹۳۷ء کی مسلم لیگ کی مفلسی پر مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ پر شروع دن سے تاحال سرمایہ داروں، جاگیر داروں، نوابوں، راجاؤں، سروں، خان بہادروں اور بڑے بڑے زمینداروں کا قبضہ چلا آرہا ہے کیا وہ سب کے سب خودغرض اور مفاد پرست تھے کہ مسلم لیگ کے لئے کچھ بھی خرچ نہ کیا کرتے تھے؟ جس جماعتی ریلے میں اتنے بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار قارونی خزانوں کے ساتھ بہہ رہے ہوں اس جماعت کے فنڈ میں کچھ بھی نہ ہو یہ تاریخ کے آسمان پر تھوکنے کے علاوہ قائد سمیت تمام رہنماؤں کی توہین بھی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کے پاس لاکھوں کا فنڈ صرف ایک ایک جلسے میں جمع ہوکرتا تھا اور مخلص رؤسا خرچ بھی کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو۔ سر عبداللہ ہارون کی وفات پر خود قائد کا بیان ہے:

> سر عبداللہ ہارون مسلم لیگ کے سب سے زبردست ستونوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں نہ صرف سندھ کے مسلمانوں کی بے مثال خدمت کی بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے کام آئے انہوں نے مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر کی حیثیت سے بڑی اہم اور قابل قدر خدمات انجام دیں انہوں نے مہارت کے ساتھ تاجرانہ نقطۂ نظر سے مجلس عاملہ کے تمام کاموں میں دل کھول کر امداد دی۔

مجلّہ علم و آگاہی قائد اعظم نمبر ۳۳۰۔

ابوسعید انور فرماتے ہیں:

> اپریل ۱۹۳۸ء بمقام کلکتہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خاص ہوا تھا۔ قاعدہ تھا کہ اجلاس کونسل کے بعد آخر میں اجلاس عام بھی منعقد کیا جاتا۔ لاکھوں کا اجتماع تھا، رات کا وقت تھا، قائد اعظم کی تشریف آوری میں معمول کے خلاف دیر ہو رہی تھی منتظمین نے مولانا شوکت علی کی صدارت میں اجلاس عام شروع کر دیا۔ تقریریں ہونے لگی ایک موقع پر مولانا شوکت علی نے مسلم لیگ کے لئے چندے کی اپیل کر دی تقریروں کے دوران ہی لاکھوں کے مجمع میں چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ قائد اعظم جلسہ گاہ میں پہنچے جلسہ میں غیر معمولی ہلچل سے بھانپ گئے کہ چندہ جمع ہو رہا ہے، سیدھے مائیک پر پہنچے اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ مولانا شوکت علی نے جواب دیا کہ فنڈز جمع ہو رہے ہیں آپ نے فوراً چندہ جمع کرنا بند کرنے کا حکم دیا پھر نہایت جچے تلے الفاظ میں مختصر تقریر کی،
>
> ”مجھے معلوم ہے کہ ہمیں فنڈ کی سخت ضرورت ہے اس کے بغیر ہم اتنی بڑی جنگ نہیں جیت

سکتے ،مگر یہ معاملہ بہت نازک ہے ماضی میں بہت سی مسلمان جماعتیں اسی باعث بدنام ہوئیں ۔چندہ کا حساب نہ رکھ سکیں میں مناسب وقت پر قوم سے اپیل کروں گا اور یہ چندہ بالعموم براہ راست کسی بینک میں جمع ہوگا۔ایک ایک پائی کا قوم کے سامنے حساب پیش کیا جائے گا‘‘۔

اور پھر ہمیں معلوم ہے کہ قائد اعظم کی اپیل پر ایک روپے سے لاکھوں روپے تک مسلم لیگ فنڈ میں دیئے اور خود قائد اعظم نے لاکھوں کے منی آڈرز پر اپنے دستخطوں سے چندہ وصول کیا۔جن میں ایک روپیہ بھیجنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور اکثر براہ راست بنک میں بھی بھیجتے رہے۔ جب مسلم لیگ انڈیا اور پاکستان الگ الگ دو حصوں میں تقسیم ہوئے تو بھی یہ فنڈز تقسیم کئے گئے ۔اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد اسماعیل (مدراس) کی تحویل میں بھارتی مسلم لیگ کا حصہ دیا گیا۔ان میں مسلم لیگ کے ریلیف فنڈز بھی شامل تھا۔ پاکستانی فنڈز ابھی تک منجمد پڑے ہیں

روزنامہ نوائے وقت لاہور۔۲۵دسمبر۱۹۷۷ءقائد اعظم ایڈیشن

ان تاریخی شواہد کے بعد یہ فیصلہ ’’حامد میر‘‘ ہی فرمائیں کہ قائد اعظم یا اصفہانی و تمیمی میں سے کون غلط ہوسکتا ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ اصفہانی صاحب کو اس غلط بیانی کا ذمہ دار قرار دینا زیادہ آسان ہے کہ مسلم لیگ کے پاس کچھ نہیں تھا کیونکہ یہ بات اگر قائد نے کہی ہوتی تو کسی اور معتبر ذریعہ سے بھی منقول ہوتی ،مگر ایسا نہیں ہے، یہ بہت بُری بات ہوگی کہ ’’میر‘‘ اوران کے روحانی پیشوا، قائد کے سر ایسی بات تھونپ دیں جو ثابت نہ ہوسکے، اگر ثابت ہوجائے تو اس سے قائد کی توہین لازم آئے۔

۳:۔ مذکورہ قصہ میں آخری اور آخری حد کا چھوٹ بلکہ بہتان عظیم کہ قائد اعظم رقم کا مطالبہ پورا نہ کرسکے اور مولانا صاحبان کانگریس کی طرف چلے گئے کیونکہ وہاں سے ان کے مالی تقاضے پورے ہوگئے تھے۔

اگر اصفہانی سے لیکر ’’میر‘‘ صاحب تک ہمارے ان کرم فرماؤں کا قرآن کی آیت ’’**ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید**‘‘ پر ایمان ہوتا تو وہ اس قدر ڈھائی سے یہ بات نہ کہ سکتے۔

اور اصفہانی جیسے بہتان طراز انسان کو ان تقاضوں کے پورے ہونے پر تنکا برابر بھی اگر ثبوت میسر آتا تو وہ شہتیر بنا کر ضرور پیش کرتا لیکن اس قول میں اصفہان سے لائی ہوئی نمرودی آتش کے بجز اصفہانی کے پاس کچھ تھا نہیں اس لئے محض ظن وتخمین پر گزارا کیا، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔اصفہانی یا ان جیسے دیگر حضرات اس طرح کی افترا بازی اس لئے کرتے ہیں تاکہ انگریز پرستوں کے اس مکروہ چہرے پر پردہ ڈالا جاسکے جن کی بدروئی کی وجہ سے ۶۲ سال گزرنے کے باوجود ’’روئے پاک‘‘ پر حُسنِ اسلام نہیں سج سکا۔

الغرض انگریز پرستوں کا جو مکروہ چہرہ تاحال نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے، اس مکروہ چہرے کے خدوخال کیا ہیں جن کے سبب مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہ رحمہما اللہ لیگ سے بیزار اور لاتعلق ہوگئے تھے۔ چنانچہ علماء کی

www.banuri.edu.pk

مایوسی اور لاتعلقی کے چند اسباب بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

ا:۔ ۱۹۳۶ء کے صوبائی انتخاب میں جناح صاحب نے مسلم جماعتوں کو لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا مشورہ دیا جناح صاحب نے جمعیت علماء ہند سے اتحاد وتعاون کی درخواست کی اور وہ اس شرط پر اتحاد وتعاون کے لئے آمادہ ہوئے کہ لیگ سے انگریز پرست، رجعت پسند اور خوشامدی ٹوے کو نکالا جائے، قائد نے مکمل آمادگی کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر ایسا نہ کر سکا تو میں لیگ چھوڑ کر آزاد جماعتوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ مگر افسوس کہ قائد نہ تو سرکار پرست ٹولے سے مسلمانوں کو نجات دلا سکے اور نہ ہی مسلم لیگ سے علیحدہ ہوئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسن احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مسٹر جناح نے ۳۶ء کے الیکشن کے لئے جمعیۃ علماء ہند سے اتحاد وتعاون چاہا۔ وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہو ہر قسم کی غیر قانونی جدوجہد پر سخت قانونی پابندیاں عائد تھیں، مسٹر جناح نے ہم سے چند گھنٹے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آ گیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کر کے آزاد خیال اور ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ہم نے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کر سکے تو کیا ہوگا۔ تو فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو میں تم لوگوں میں آ جاؤں گا اور لیگ چھوڑ دوں گا۔ اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہو گئے۔

مکتوبات شیخ الاسلام: ۳۶۰/۱

۲:۔ مسلم یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں مسٹر جناح نے واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ جمعیت علماء ہند کی رائے کے مطابق ہوگا اور بصورت دیگر مسلم لیگ چھوڑ کر آزاد جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ سید طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں:

> اس کے بعد (یعنی مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد) جب کہ صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات کا وقت آیا تو شروع ۳۶ء میں یونٹی بورڈ کے مجلس عاملہ نے دہلی میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس میں مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر عبدالمتین چوہدری نے کہا کہ بجائے یونٹی بورڈ کے مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑا جائے اور اس پُرانی جماعت کو مضبوط کیا جائے۔ دوسرے روز قرول باغ میں مولانا شوکت علی کے مسکن پر اس بارہ میں مفصل مشورہ ہوا۔ جس میں یونٹی بورڈ، مسلم لیگ اور جمعیت العلماء کے خاص خاص اراکین شامل تھے۔ اس میں بحث پیش آئی کہ جو لوگ اپنا مسلک ''کامل آزادی'' میں رکھتے ہیں وہ مسلم لیگ کے ممبر کس طرح بن جائیں، اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہو جانا کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔ ہم لوگ

آپ کے پیچھے چلیں گے اس وقت حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ آپ ۱۹۲۰ء میں بھی تو ہمارے ساتھ تھے اب اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ آئندہ بھی آپ ساتھ رہیں گے۔ مسٹر جناح نے فرمایا کہ ''نہیں میں اب ساتھ سے نہیں ہٹوں گا''۔ اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ''میں آزادی خواہ طاقتوں کی حمایت کروں گا خودغرض، سرکار پرستوں اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ پارلمینٹری بورڈ میں نہ لوں گا......اور مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ علماء ہند کی رائے کے مطابق کروں گا۔ اگر اس سے معذور رہا تو مسلم لیگ چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔'' ان معاہدوں کے بعد قرار پایا کہ بجائے مسلم لیگ کے ''مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ'' الیکشن کی غرض سے قائم کیا جائے جس میں تمام مسلم جماعتیں شریک ہوں

روح روشن مستقبل، ص: ۱۲۷۔۱۲۸۔

۳:۔ بقول چوہدری خلق الزمان جمعیت علماء اور اس کے رہنماوں (حضرت مدنی اور مولانا احمد سعید) نے لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے صوبہ یو پی کی خاک چھان ڈالی انتھک محنت کی جس کے نتیجہ میں یو پی میں مسلم لیگ کو اسی فیصد کامیابی ملی، مگر انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد پہلے ہی اجلاس میں مسلم لیگ نے جمعیت علماء ہند کے ساتھ کئے گئے تمام عہد و پیمان توڑ دیئے اور رجعت پسندی خوشامدی اور سرکار پرست طبقہ مسلم لیگ میں گھن کی طرح گھس گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ سے علیحدگی کے اسباب ومحرکات بیان کرتے ہوئے حضرت مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مگر افسوس کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنو میں اپنے عہود اور اعلانات کو توڑ دیا اور ان رجعت پسند خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواست گار پرزور طریقے پر ہوئے جن کو خارج کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور ان کی پُرزور مذمت کر رہے تھے اور جن کے متعلق ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گزری ہے۔ ان سے وہیں کہا گیا کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے گا اور آج ان کو لیگ میں لانے اور پارٹی میں ان کو جگہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تو بگڑ کر کہا کہ وہ پولیٹکل وعدے تھے۔ علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان وعہود کئے جس کی بناء پر سخت مایوسی ہوئی اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی انہوں میں مرکزی اسمبلی نے شریعت بل پاس نہ ہونے دیا قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم کی شرط کو قبول کرلیا، آرمی بل پاس کیا وغیرہ وغیرہ۔

مکتوبات شیخ الاسلام: ۳۶۱/۱

عبارات بالا کی توضیح، جمعیۃ اور مسلم لیگ کے باہمی اختلاف وجمعیت کی مسلم لیگ سے علیحدگی کے ایک اور سبب

www.banuri.edu.pk

کی نشاندہی کرتے ہوئے غلام نبی جانباز لکھتے ہیں:

انتخابات ختم ہونے پر مارچ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا جو پہلا اجلاس ہوا اس میں تمام رجعت پسند ممبران شامل ہوئے۔ اس پر جمعیت علماء ہند نے اعتراض کیا کہ جمعیت علماء اور مسلم لیگ سمجھوتہ، اس بنیاد پر تھا کہ مسلم لیگ سے تمام رجعت پسند عناصر کو نکال دیا جائے گا تو آج انتخابات کی کامیابی کے بعد ایسے عناصر کو پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں شامل کرنا اپنے وعدوں سے انحراف کرنا ہے۔

حیات امیر شریعت، ص:۲۱۲۔

۴:۔ اسمبلی میں شریعت بل، قاضی بل اور دیگر مختلف بل، جو جمعیت علماء ہند کی طرف سے پیش کئے تھے مسلم لیگ کی طرف سے ان کی سخت مخالفت کی گئی۔

۵:۔ مسلم لیگ سمیت ہندوستان کی تمام آزادی خواہ جماعتوں نے حکومت کے ایکٹ ۳۵ء کے تحت جدید آئین کو ناقص اور ناقابل عمل قرار دیا تھا، یکم اپریل ۳۷ء ایکٹ ۳۵ء کے نفاذ کا دن تھا، اس دن تمام آزادخواہ جماعتوں نے جدید آئین کے خلاف ہڑتال کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن لیگی قیادت نے اس ہڑتال میں حصہ لینے کی بجائے اس کی مخالفت کی اور مسلم لیگ کی تمام شاخوں اور عام مسلمانوں کو اس ہڑتال میں حصہ نہ لینے کا حکم اور اپیل کی۔ سید طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں:

یکم اپریل کا دن کانگریس اور دیگر آزادی خواہ جماعتوں نے جدید آئین کے نفاذ کے خلاف عام ہڑتال کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ مسٹر جناح پریذیڈنٹ مسلم لیگ نے بغیر مسلم لیگ کی کونسل میں پیش کئے خود اپنی مرضی اور اپنے حکم سے اعلان کر دیا کہ مسلمان اس ہڑتال میں شریک نہ ہوں درانحالیکہ خود مسلم لیگ جدید آئین کو ناقص قرار دے چکی تھی۔ اس اعلان سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا اور جمعیت علماء کے لوگوں نے اور بہت سے مسلمانوں نے ہڑتال میں حصہ لیا۔

روشن مستقبل، ص:۴۵۳، روح روشن مستقبل، ص:۱۳۰

قارئین! یہ تصویر کا وہ حقیقی رُخ جس کے سبب علماء حق، مسلم لیگ کے زہریلے بچھوؤں کو بار بار ڈسنے کا موقع نہیں دے سکے جس کی وجہ سے لیگی ذہنیت علماء کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے اور انگریز کا حق پرورش ادا کرنے کے لئے علماء پر الزامات عائد کر رہی ہے، یہ ناانصافی صرف حضرت مدنی اور ان کے قافلۂ حق کے زعماء ملت کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت عثمانی کے ساتھ بھی ہوئی ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا وہ تاریخی خط، ریکارڈ پر ہے کہ جو سر سکندر حیات کے اس خط کے جواب میں تھا جو سر سکندر نے ۱۹۳۹ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے حمایت کے لئے لکھا تھا۔ حضرت تھانوی کے اس تاریخی جواب میں لیگ کا حقیقی چہرہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی ناراضگی و مایوسی عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ خط یہ ہے۔

www.banuri.edu.pk

ازاشرف علی عفی عنہ۔ یکم رجب بروز جمعہ ۱۳۵۸ھ

مکرمی زادلطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

..................میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ پٹنہ میں ایک پیغام بھیجا تھا جو وہاں پڑھا گیا تھا اور سب حضرات کو تقسیم بھی کیا گیا تھا اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی اول نماز کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جاوے، دوسرے ''وضع اسلامی'' کو لیگ کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جاوے۔ نماز کا ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے، اور وضع خاص رکھنا تو ایسی چیز ہے کہ دنیا کے تمام سیاست دان اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جرمنی کا لباس الگ ہے فرانسیسی کا الگ وعلی ھٰذا ۔اور فوجی وردی تو لازمی طور پر الگ ہوتی ہے، اگر جرمنی سپاہی مثلاً انگریزی وردی پہن کر جرمنی فوج میں شامل ہو اور ویسے ہر طرح وفادار اور مستعد ہو، لیکن صرف وردی کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا کا ہوگا، وعلیٰ ھٰذا تو کیا مسلمان کے لئے جو حق تعالیٰ کی فوج ہے کوئی خاص وضع امتیاز ضروری نہیں ہے؟ ہے اور ضروری ہے!

لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا میں بھی موثر ہیں، میں اور بتاتا مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے شکایت ہے کہ مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اور ان کے فتوؤں پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا، ہم اگر ذاتی منافع کے لئے کچھ بھی لکھیں تو بے شک نہ سنئے نہ مانئے! لیکن اگر ان حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لئے صحیح ہوتا ہے دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا؟......''

بحوالہ سیرت اشرف، ص: ۶۰۸، ۶۰۹

کیا میر صاحب حضرت تھانوی کی اس حمایت نہ کرنے پر بھی وہ کچھ کہیں گے جو وہ حضرت مدنی کے بارے میں ارشاد فرما چکے ہیں یا خاموش رہیں گے یا مسلم لیگ کو موسم لیگ بننے پر کوسنا ضروری سمجھیں گے؟

اسی طرح حضرت میر اور ان کے کاروان سے دیانت کا سوال ہے کہ کیا ہماری ۶۲ سالہ مادر وطن میں علامہ عثمانی کی قراردادوں کے مطابق نظام ڈھالا جا چکا ہے؟ ان ناانصافوں سے تو یہ شکوہ ہے کہ ظالمو! علامہ عثمانی نے تو پاکستان بنانے کے لئے سیاہ راتوں میں بارش کی طرح آنسو بہائے تھے طلوع پاکستان کا اجالا ہو جانے پر انہیں رُلایا کیوں گیا تھا؟ علامہ عثمانی کے ساتھ یہ ناانصافی کسی ہندوستانی نے نہیں بلکہ پاکستان کے پاکیزہ پاکبازوں ہی نے کی تھی۔

رہا میر وقت کا یہ مشورہ کہ مولانا فضل الرحمن، مولانا حسین احمد مدنی کا راستہ چھوڑ کر علامہ شبیر احمد عثمانی کے طریقہ پر چلیں''، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ مدنی وعثمانی دونوں میں سے جس کی

پیروی کریں وہ دونوں بزرگ ہم سب کے سروں کے تاج ہیں، دونوں ہمارے لئے مقدس ہستیاں ہیں دونوں اپنی رائے میں مخلص و دیانتدار تھے، ایک نبوی ارشاد سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ جن مقدس ہستیوں کے ایمان واخلاص اور دیانت و ہدایت پر امت مسلمہ گواہی دے چکی ہوان میں سے جس کا دامن تھام لوگے ہدایت یافتہ بن جاؤ گے اور یہ کہ تمہیں ان مقدس ہستیوں کے درمیاں تفریق اور تقسیم مراتب کا حق نہیں پہنچتا۔

(سورہ بقرہ)

اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مولانا فضل الرحمن اوران جیسے دیگر علماء کرام کے لئے حضرت مدنی اور حضرت عثمانی دونوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

جبکہ مولانا فضل الرحمن سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہمارے ''میر وقت'' کا ہے وہ اپنے لئے کوئی ایک دوازہ متعین کریں یا کم از کم تحدید ضرور کریں کیونکہ اب عمر عزیز بھی ڈھلتی جارہی ہے اور قبر کا گڑھا بھی دن بدن باچھیں کھولتا جارہا ہے کوئی پتہ نہیں کس وقت اعلیٰ عدالت کا سمن آجائے اور معطل نہ ہونے والی عدالت میں پیشی شروع ہوجائے۔

آخری گزارش!

میرے محترم حامد میر صاحب، اگر فی الواقع صدقِ دل سے پاکستان کے خیر خواہ ہیں، وطنِ عزیز میں امن و سکون کے خواہاں ہیں، عدل وانصافی کی بالادستی کے خواہشمند ہیں، وعدہ خلافیوں کی سیاست کو لعنت سمجھتے ہیں، غیروں کی جوتیاں صاف کرنے کو معیوب جانتے ہیں اپنے فیصلہ اپنوں سے کرانے کے حق میں ہیں اور ایسی حماقتوں، خیانتوں اور عہد شکنوں سے رؤساء وطن کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں جن کے سبب مادر وطن میں آگ وخون کا طوفان اڈر رہا ہو، وطنی قومیت کے پرخچے اڑتے نظر آرہے ہوں، مادرِ وطن کو سندھ، بلوچستان، پنجاب اور سرحد کے علاوہ مزید شناختوں میں بٹتا ہوا دیکھ رہے ہوں اور مذہبی منافرت پھیلا کر مذہبی مقدسات کے لئے گشت وخون کا سونامی طوفان اڈتا ہوا محسوس کررہے ہوں، اور یہ کہ راہِ حق وحقیقت پر چلنا چاہتے ہوں۔تو ''میر زماں'' اوران کے پورے کارواں کو چاہئے کہ وہ حضرت مدنی کے اسی فارمولے پر عمل کریں جو انہوں نے ہندوستان کی مختلف اقوام کو متحد رکھنے کے لئے اور بیرونی تسلط و دخل اندازی سے بچانے کے لئے پیش فرمایا تھا اور آج کی ساری دنیا اسی فارمولے پر عمل پیرا ہے۔یعنی'' قومیت از وطن است'' ہم سارے نعروں کو چھوڑ کر بلا امتیاز صرف یہ کہیں کہ

ہم سب پاکستانی ہیں پاکستان ہمارا ہے، اور ہم سب مل کر پاکستان میں لگی ہوئی آگ بجھائیں گے اور کسی قسم کے سیاہ سفید، ریچھوں کو دھرتی ماتا میں خونخواری اور درندگی کی اجازت ومواقع فراہم نہیں کریں گے کیونکہ اسی میں ہماری نجات ہے، یہی راہ خدا ہے

یہی شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کا فلسفہ تھا، جو ہمیں سمجھ نہیں آرہا تھا مگر ہم تین ربع صدی میں چشم مشاہدہ

www.banuri.edu.pk

سے اس کی حقیقت وحقانیت دیکھ چکے ہیں اب ہمیں تعصب عناد سے بالاتر ہوکر مولوی اقبال سہیل کی اس دعوت پر (قدرے تصحیف کے ساتھ) لبیک کہہ دینا چاہئے:

بگیر راہِ حسین احمد گر راہِ خدا خواہی　　　　کہ نائب است نبی را وہم از آل نبی است

اگر "میر" میری اس رائے سے اتفاق کرتے ہوں جو شریعت وحقیقت پر قائم کی گئی ہے تو انہیں چاہئے کہ توبہ استغفار کرتے ہوئے حضرت مدنی اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمہما اللہ کے بارے میں اپنی ہرزہ سرائی پر غیر مبہم الفاظ میں شرمساری وندامت کا اظہار کریں، اوران حضرات کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے اصفہانی، بٹالوی اور تمیمی جیسے مریضان لیگ کی بجائے علامہ سید سلیمان ندوی، چوہدری خلیق الزمان اور محترم یوسف سلیم چشتی مرحوم جیسے محبانِ اقبال کو پڑھیں جن پر حضرت مدنی کی شخصیت اور احوال کی حقیقت منکشف تھی، بصورت دیگر زرداری کے بلاول سے زیادہ اپنا خیال کریں، کیونکہ کچھ علم نہیں موجودہ سربراہانِ وطن جاتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی کے پاکستان کو کہاں چھوڑ کر جاتے ہیں، اور غریب پرور بھٹو کی پارٹی کو مشت خاک بنا کر کہاں پھینکا جاتا ہے، بلاول کی باری آتی ہے یا نہیں؟ اس لئے "سب سے پہلے میر" کا نظریہ اپنانا "میر" کے لئے زیادہ ضروری ہے۔

والسلام

رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاون کراچی

74800

www.banuri.edu.pk